© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد:۴۹ شمارہ:۱

اصولِ درایتِ حدیث اور امام ابویوسفؒ

مبشر حسین☆

Abstract

In the Hadith sciences, the term *Dirayat* indicates the methodology of textual criticism that has been applied by the various jurists in their legal debates. Amongest the earliest jurists who frequently applied this methodology on discussing the Hadith was Abu Hanifa. He did this by relying upon some sayings of Hazrat Umar and Hazrat Aesha as indicated by Abu Yousuf, one of the famous disciples of Abu Hanifa. This study attempts to explore the major principles of the Hanafie's methodology of textual criticism (Dirayat) focussing on the works of Abu Yousuf. Moreover these principles that are four in numbers have been examined with historical perspective.

© rasailojaraid.com

اصولِ نقدِ حدیث کے پس منظر میں 'درایت' کی اصطلاح معاصر اہل علم کے ہاں دراصل ان عقلی اصولوں کی نمائندگی کرنے لگی ہے جنہیں فقہاء نے اپنی فقہی و اَحکامی مباحث میں متن حدیث کی جانچ پڑت کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس مقالہ میں اصطلاحِ 'درایت' کے آغاز و ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے حنفی اصولِ درایتِ حدیث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالہ نگار کی رائے میں امام ابوحنیفہؒ ان اولیں فقہاء میں سے ہیں جنہوں نے متن حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے ایسے اصولوں کا بھرپور استعمال کیا جنہیں آج 'اصول درایت' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام موصوف کی طرف ان اصولوں کی نسبت نہ

☆ مبشر حسین، لیکچرر/ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف بعد کے حنفی اصولیوں نے کی ہے بلکہ خود امام صاحب کے مایہ ناز شاگرد امام ابویوسفؒ کی تصنیفات میں ان اصولوں کے استعمال اور ان کے معیاری ہونے پر صحابہ کے آثار سے رہنمائی لینے کے سلسلہ میں بکثرت مواد موجود ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ اصول امام صاحب اور ان کے اصحاب ہی کے اخذ کردہ ہیں جبکہ بعد کے حنفی اصولیوں نے ان کی مزید تہذیب و تنقیح کا کام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابویوسفؒ کی تصنیفات کو بنیاد بنا کر ان کی عبارتوں سے براہ راست ایسے اصول تلاش کیے گئے ہیں جنہیں بلاشبہ نقد حدیث کے درایتی اصول قرار دیا جا سکتا ہے، چنانچہ مقالہ نگار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ حنفی فقہاء کے ہاں سند معتبر ہونے کے باوجود خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ:

۱۔ خبر واحد قرآن مجید کے خلاف نہ ہو

۲۔ خبر واحد سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو

۳۔ خبر واحد عموم بلویٰ کی قبیل سے نہ ہو

۴۔ خبر واحد ایسی نہ ہو جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو۔

درایت کا لغوی معنی

درایت کا لغوی معنی ہے سمجھ بوجھ، معرفت اور ادراک، جیسا کہ راغب اصفہانی اپنی کتاب 'المفردات' میں لکھتے ہیں:

الدراية: المعرفة المدركة بضرب من الحيل.(۱)

خوب کوشش کے بعد کسی چیز کو معلوم کرنا 'درایت' کہلاتا ہے۔

درایت کا اصطلاحی معنی

متقدمین کے ہاں اس لفظ کو اصول حدیث کی کسی اصطلاح کے طور پر استعمال کرنے کی مثال نہیں ملتی، تاہم متأخرین مثلاً ابن الاکفانی، عزالدین ابن جماعۃ، امام سیوطی، حاجی خلیفہ وغیرہ نے اسے فہم حدیث اور نقد حدیث کے عمومی اصولوں کے حوالے سے بیان کیا ہے، جیسا کہ آئندہ سطور میں دی گئی تفصیل سے معلوم ہو گا۔

درایت کا تعلق فہم حدیث کے ضابطوں سے ہے یا نقد حدیث کے اصولوں سے، یا دونوں طرح کے اصولوں سے؟' اس سلسلہ میں اہل علم کے ہاں اس علم کی دو طرح کی تعریفیں ملتی ہیں۔ ایک کا تعلق فہم حدیث سے ہے جب کہ دوسری کا تعلق فہم حدیث اور نقد حدیث دونوں سے ہے۔ دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لفظوں میں اول الذکر کا تعلق صرف مروی کی معرفت سے ہے جب کہ ثانی الذکر کا تعلق راوی اور مروی دونوں کی معرفت اور اس کے اصولوں سے ہے۔ ذیل میں ان دونوں تعریفوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

۱۔درایتِ حدیث بمعنی فہمِ حدیث

حاجی خلیفہ نے علوم حدیث کے ضمن میں 'علمِ درایتِ حدیث' کو فہم حدیث کا علم قرار دیا ہے' چنانچہ آپ علم حدیث کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **وهو ينقسم إلى: العلم برواية الحديث: وهو علم يبحث فيه عن كيفية اتصال الأحاديث بالرسول عليه الصلاة والسلام من حيث أحوال رواتها ضبطا وعدالة ومن حيث كيفية السند اتصالا وانقطاعا وغير ذلك وقد اشتهر بأصول الحديث كما سبق' وإلى العلم بدراية الحديث وهو علم باحث عن المعنى المفهوم من ألفاظ الحديث وعن المراد منها مبنيا على قواعد العربية وضوابط الشريعة ومطابقا لأحوال النبیﷺ .(۲)**

علم حدیث کو بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی علم روایۃ الحدیث اور علم درایۃ الحدیث۔ علم روایۃ الحدیث سے مراد وہ علم ہے جس میں احادیث کی نبیﷺ کی طرف اتصال کی کیفیت کے حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔ یعنی اس سلسلہ میں رواۃِ حدیث کے احوال' ضبط' عدالت کو زیر بحث لایا جاتا ہے' نیز یہ بحث کی جاتی ہے کہ سند متصل ہے یا منقطع۔ اور اسی سے ملتی جلتی دوسری چیزیں اس میں شامل ہیں۔ یہ علم 'اصول حدیث' کی اصطلاح سے معروف ہے' جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اور جہاں تک علم حدیث کی دوسری قسم علم درایۃ الحدیث کا تعلق ہے تو اس بارے میں واضح ہو کہ یہ وہ علم ہے جس میں حدیث کے متن کا معنی و مفہوم اور اس کی مراد کو عربی قواعد' شرعی ضوابط اور نبیﷺ کے احوال کی مطابقت کے پہلوؤں سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔

۲۔درایتِ حدیث بمعنی فہمِ حدیث اور نقدِ حدیث

امام سیوطی نے تدریب الراوی میں علم الحدیث کی دو قسمیں بیان کی ہیں یعنی:

۱۔ ***علم الحدیث خاص بالروایۃ:*** یہ علم نبی کریمﷺ کے اقوال و افعال کی نقل و روایت کرنے' ان کے ضبط کرنے اور ان کے الفاظ کو تحریر میں لانے پر مشتمل ہے۔ اور

۲۔ ***علم الحدیث خاص بالدرایۃ:*** یہ علم ان امور پر مشتمل ہے جن کے ذریعے روایت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت، اس کی شرائط، انواع اور احکام، راویوں کے حالات اور ان کی شرائط، اور مرویات کی اقسام وغیرہ معلوم کی جاتی ہیں۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ درایت حدیث میں فہم حدیث کے اصول و ضوابط کے علاوہ نقد حدیث کے بھی تمام اصول زیر بحث لائے جاتے ہیں، خواہ ان کا تعلق سند و رواۃ سند سے ہو یا متن سے۔

بعض اور اہل علم نے بھی روایت و درایت کے حوالے سے قریب قریب یہی تعریفات نقل کی ہیں، مثلاً طاہر الجزائری روایتِ حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم رواية الحديث ، علم بنقل اقوال النبیﷺ وافعاله بالسماع المتصل وضبطها وتحريرها، واضبط الكتب المجمع على صحتها كتاب البخارى وكتاب مسلم وبعدهما بقية كتب السنن المشهورة كسنن أبى داؤد والترمذى والنسائى وابن ماجه والدارقطنى. (۴)

علم روایۃ الحدیث وہ علم ہے جس میں نبی کریمﷺ کے اقوال و افعال کو سماع متصل کے ساتھ نقل کرنے اور انہیں ضبط اور تحریر کرنے کے حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔ اور ضبط کے اعتبار سے متفقہ طور پر سب سے مستند کتابیں صحیح البخاری اور صحیح مسلم ہیں اور ان کے بعد کتب سنن کا درجہ ہے جیسے سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی۔

پھر اس کے بعد آپ درایتِ حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم دراية الحديث علم يتعرف منه أنواع الرواية وأحكامها وشروط الرواة وأصناف المرويات واستخراج معانيها ويحتاج إلى ما يحتاج إليه علم التفسير من اللغة والنحو والتصريف والمعانى والبديع والأصول ويحتاج إلى تاريخ النقلة والكلام فى احتياجه إلى مسبار يميزه كالكلام فيما سبق، والكتب المنسوبة إلى هذا العلم كالتقريب والتيسير للنووى وأصله ككتاب علوم الحديث لابن الصلاح وأصله ككتاب المعرفة للحاكم وكتاب الكفاية للخطيب أبى بكر بن ثابت إنما هى مداخل ليست بكتب كافية فى هذا العلم. (۵)

اور علم درایۃ الحدیث وہ علم ہے جس میں روایت کی اقسام، ان قسموں کے احکام، رواۃ کی شرائط، مرویات کی اقسام اور روایات کے معانی کا استخراج وغیرہ زیر بحث لایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ علم میں ان فنون کا محتاج ہوتا ہے جن کی احتیاج تفسیر میں بھی پائی جاتی ہے جیسے لغت' نحو' صرف' معانی' بدیع اور اصول۔ علاوہ ازیں اس علم میں راویوں کی تاریخ وغیرہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس علم میں جو کتابیں معروف ہیں ان میں امام نوویؒ کی ''التقریب والتیسیر'' ہے جو اصلاً ابن صلاح کی کتاب ''علوم الحدیث'' پر بنا کرتی ہے۔ اسی طرح امام حاکم کی کتاب 'معرفۃ علوم الحدیث' ہے۔ نیز خطیب بغدادی کی کتاب ''الکفایۃ'' ہے۔ یہ اس علم سے محض روشناس کرانے والی کتابیں ہیں، انہیں اس سلسلہ میں کلی طور پر کفایت کرنے والی کتابیں نہیں سمجھنا چاہیے۔

درایت کی مذکورہ بالا دونوں تعریفوں میں فرق

اس مؤخر الذکر نقطہ نظر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر 'علمِ روایتِ حدیث' میں بھی نقد حدیث کے اصولوں پر بھی بحث کی جاتی ہے تو پھر درایت اور روایت میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ چنانچہ بعض اہل علم نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ان دونوں تعریفوں میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے' مثلاً نور الدین عتر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان علم الحدیث درایة علم یوصل الی معرفة المقبول من المردود بشکل عام أی بوضع قواعد عامة. فأما علم روایة الحدیث فانه یبحث فی هذا الحدیث المعین الذی تریده فیبین بتطبیق تلک القواعد انه مقبول او مردود و یضبط روایته و شرحه فهو اذن یبحث بحثا جزئیا تطبیقیا فالفرق بینهما کالفرق بین النحو والاعراب وکالفرق بین اصول الفقه وبین الفقه.(٦)

علم درایت حدیث وہ علم ہے جو عمومی انداز اور عمومی قواعد کے ساتھ مقبول اور مردود روایت کی معرفت مہیا کرتا ہے مگر علم روایت حدیث خاص اس حدیث کو زیر بحث لاتا ہے جسے آپ متعین کر لیتے ہیں۔ پھر یہ علم انہی عمومی قواعد کو اس خاص حدیث پر منطبق کر کے دیکھتا ہے کہ یہ روایت مقبول ہے یا مردود' نیز یہ علم اس روایت کے ضبط اوراس کی شرح پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ گویا اس لحاظ سے یہ علم روایت جزئی اور تطبیقی بحث کرتا ہے۔ پس ان دونوں علوم میں وہی فرق ہے جو نحو اور اعراب میں' یا جو اصول فقہ اور فقہ میں پایا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ نور الدین عتر نے درایت حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وأحسن تعريف لهذا العلم هو تعريف الإمام عز الدين بن جماعة حيث قال" :علم بقوانين يعرف بها أحوال السند والمتن.(۷)

علم درایت حدیث کی سب سے مستحسن تعریف وہ ہے جسے ابن جماعہ نے بیان کیا ہے' یعنی:
یہ ایسے قوانین کا علم ہے جن کے ذریعے سند اور متن کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں۔

موصوف نے یہ بات تدریب الراوی کے حوالے سے نقل کی ہے' لیکن تدریب میں ابن جماعۃ کا یہ قول علم روایت حدیث کی تعریف کے حوالے سے بیان ہوا ہے نہ کہ درایت حدیث کے حوالے سے۔(۸)

حاصل کلام

عز الدین ابن جماعہ' سیوطیؒ' حاجی خلیفہ' طاش کبریٰ زادہ' نواب صدیق حسن وغیرہ سے علمِ درایتِ حدیث کی تعریفات کے ضمن میں جو کچھ منقول ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'درایت' کی اصطلاح ان اہل علم کے ہاں دو طرح کے علوم کا احاطہ کرتی ہے یعنی یا تو اس سے مراد محض فہم روایت کے اصول و ضوابط کا علم ہے یا پھر فہم روایت کے ساتھ نقد روایت کے اصول و ضوابط جن سے 'علمِ روایتِ حدیث' بھی تعرض کرتا ہے' بھی اس علم کا حصہ ہیں (۹)۔

لیکن بعد میں اہل علم کے ہاں 'درایت' کی اصطلاح نقد حدیث کے چند خاص اصولوں کے لیے مختص ہو گئی چنانچہ مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

رسول اللہﷺ کی طرف دین و شریعت سے متعلق جو کچھ منسوب ہوا اس کو ''حدیث'' کہتے ہیں' اس نسبت کی صحت کو جانچنے کے لیے اہل علم نے ایک معیار مقرر کیا ہے' جس کا نام ''درایتی معیار'' ہے۔(۱۰)

اس درایتی معیار سے نقد حدیث کے وہ اصول مراد لیے جاتے ہیں جن میں کسی روایت کے سلسلہ سند سے ہٹ کر اس کے معنی و مفہوم کو موضوعِ نقد بنایا جاتا ہے۔ ان اصولوں کو اصول درایت جب کہ سلسلہ سند سے متعلقہ اصولوں کو اصول روایت سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ برصغیر کے معروف نقاد' ادیب اور مؤرخ علامہ شبلیؒ نے بھی روایت کی جانچ پڑتال کے اصولوں کو انہی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے' چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں' روایت و درایت۔ روایت سے مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جاوے[کذا]۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جاوے[کذا] کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے' یا نہیں۔ درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔...........درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزمؒ ابن القیمؒ خطابیؒ ابن عبد البر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی' نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا' البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے جب فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے۔(۱۱۔الف)

روایت و درایت کی مزید وضاحت موصوف نے اپنی کتاب ''سیرۃ النعمان'' میں اس طرح کی ہے:

> روایات کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہیں ہوتا' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی اس کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔ درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضاء زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہو گی یعنی یہ احتمال ہو گا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔ اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔(۱۱۔ب)

اصولِ درایت...... آغاز و ارتقاء

درایتی اصولوں کا آغاز و ارتقاء

جن اہل علم نے نقد حدیث کے درایتی اصولوں پر کسی بھی پہلو سے بات کی ہے' انہوں نے ان اصولوں کی بنیاد صحابہ سے اخذ کی ہے۔ اس لیے کہ بعض صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اورحضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے اس طرح کے اصولوں کے بارے میں بعض بڑی واضح اور صریح مثالیں ملتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں کچھ مثالیں امام شاطبیؒ نے الموافقات میں ذکر کی ہیں۔(۱۲)

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ سے اس سلسلہ میں جو مثالیں ملتی ہیں' انہیں بعض اہل علم نے مستقل تصانیف میں جمع کر دیا ہے۔ (۱۳)

جہاں تک حضرت عمرؓ سے اس سلسلہ میں منقول اصولوں کا تعلق ہے' تو اس کے بارے میں شبلیؒ لکھتے ہیں:

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کیے' ان کو اجمالاً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے۔
۲۔ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔
۳۔ خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔
۴۔ خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔
۵۔ روایت کے اعتبار میں موقع و محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔(۱۴)

نیز لکھتے ہیں:

> دوسرا مرحلہ خبر احاد[کذا] (یعنی وہ حدیث(۱۵) جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا' بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذن ملاقات' اسقاط جنین' خریداری مکان عباس بن عبدالمطلب' تیمّم جنابت' کے مسئلوں میں انہوں نے عمار بن یاسر' ابوموسیٰ اشعری' مغیرہ بن شعبہ' ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گذریں' چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے' قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق' اپنی روایت سے' آنحضرتﷺ کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم' قرآن مجید کی نص کے مخالف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا' فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا' لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہیں' نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے' چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے' لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی' بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو' غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا' اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیتِ حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار احاد کے متعلق فقہاو محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں' لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے' اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔(۱۶)

درایتی اصول اور فقہاء حنفیہ

فقہاء میں سے سب سے پہلے فقیہ جنہوں نے ان درایتی اصولوں کو ایک مربوط انداز میں استعمال کیا' وہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ جیسا کہ شبلی امام ابوحنیفہؒ کے اصول درایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فن حدیث میں سب سے بڑا کام ابوحنیفہؒ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور ان کو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا۔ فن حدیث کی شاخ یعنی روایت پر ہمارے علماء نے جس قدر توجہ کی اس میں کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اصول حدیث ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزاء ہیں۔ یہ عزت صرف ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اس وقت ان کی نگاہ باریک نکتوں پر پہنچی۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہؒ کے لیے دلیل راہ بنے' لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی گم اور ناپید تھیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔(۱۷)

اس کے بعد شبلی نے امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے درج ذیل اصول درایت نقل کیے ہیں:

۱۔ جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔(۱۸)

۲۔ جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں' ان کے متعلق اگر رسول اللہﷺ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار آحاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہو گی۔(۱۹)

۳۔ شبلی نے ضمناً کچھ اور اصول بھی نقل کیے ہیں' مثلاً:

خبر واحد عقل یا مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔

راوی فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتا ہے۔

روایت باللفظ ہے یا بالمعنیٰ۔[گوکہ امام صاحب روایت بالمعنیٰ کے جواز کے قائل تھے مگر شرائط کے ساتھ]

موقع و محل کا اعتبار کیا گیا ہے یا نہیں۔(۲۰)

امام ابوحنیفہؒ کے بعد ان کے شاگرد رشید امام ابویوسفؒ نے بھی ان اصولوں کو استعمال کیا ہے۔ جس کی تفصیل آگے اسی باب کی تیسری فصل یعنی: ''امام ابویوسفؒ اور اصول درایت'' کے ضمن میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

ان کے بعد عیسیٰ بن ابان(۲۱) نے ان اصولوں پر تفصیل سے کلام کیا جس کی مثالیں ابوبکر جصاص کی ''الفصول فی علم الاصول'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔(۲۲)

بلکہ عیسیٰ بن ابان نے ان اصولوں کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ

وھذا مذھب التابعین ومن بعدھم فی قبول اخبار الآحاد و ردھا بالعلل. (۲۳)

اخبار آحاد کو قبول کرنے یا علل کی بنا پر رد کرنے کے بارے میں تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

عیسیٰ بن ابان نے اس سلسلہ میں صحابہ اور تابعین سے منقول بعض روایات کو تفصیل کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کیا ہے' پھر اس کے بعد مذکورہ بالا رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور ان کی اس رائے پر ابوبکر جصاص نے ان کی اس طرح تائید کی ہے:

ذکر عیسی هذه الاخبار واخبار اخر غیرها معها واستدل بها علی ان من مذهب السلف: رد اخبار الآحاد بالعلل' وهذا استدلال صحیح علی ما ذکر' لانه قد ثبت به اجماعهم علی اعتبار ذلک کما اُثبت باجماعهم لما قبلوه من الاخبار' فی لزوم العمل بها والمصیر الیها. (۲۴)

عیسیٰ بن ابان نے ان روایات کو اور ان کے علاوہ کچھ اور روایات کو [جن میں سلف نے مذکورہ علل کے ساتھ اخبار کو رد کیا ہے] بھی اس سلسلہ میں پیش کیا ہے اور ان سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ سلف کا مذہب تھا کہ اخبار آحاد کو علل کی وجہ سے رد کر دیا جائے۔ یہ استدلال صحیح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان [درایتی قواعد کی موجودگی میں روایت کے رد] کا اعتبار سلف سے اجماعاً ثابت ہے' جیسا کہ [ان کی عدم موجودگی میں] ان اخبار کو لزوم بہ عمل سمجھنا اور ان کی طرف رجوع کرنا ان کے اجماع سے ثابت کیا گیا ہے۔

عیسیٰ بن ابان کے بعد علامہ بزدویؒ نے ان اصولوں کو موضوعِ بحث بنایا اور ان کے لیے 'انقطاعِ باطن' کی اصطلاح استعمال کی۔(۲۵)

پھر ان کے بعد سرخسیؒ نے بھی ان اصولوں پر روشنی ڈالی' اور ان کے لیے 'انقطاعِ معنوی' کی اصطلاح استعمال کی۔(۲۶)

حنفیہ کے ہاں اصلاً درایتی اصول کتنے ہیں؟

'انقطاعِ باطن' یا 'انقطاعِ معنوی' میں حنفی اصولیوں نے دو طرح کے اصول ذکر کیے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق راوی پر طعن سے ہے اور دوسرے وہ جن کا تعلق مروی پر طعن سے ہے۔ ان مؤخر الذکر اصولوں ہی کو درایتی اصولوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس میں درج ذیل چار اصول ایسے ہیں جنہیں عیسیٰ بن ابان' ابوبکر جصاص' بزدوی' سرخسی وغیرہ سبھی حنفی اصولیوں نے بغیر کسی اختلاف رائے کے ذکر کیا ہے اور ان اصولوں میں سے کسی ایک کی بھی موجودگی میں خبر واحد کو اس سے معارض ہونے کی بنا پر معلول قرار دے کر رد کر دیا جاتا ہے:

۱۔ اگر خبر واحد کتاب اللہ سے متعارض ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ اگر خبر واحد سنت مشہورہ سے متعارض ہو۔

۳۔ اگر خبر واحد عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو۔

۴۔ اگر اس خبر واحد سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو۔(۲۷)

البتہ جصاص نے ان پر ایک اصول کا اضافہ کیا ہے' چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ومما يرد به اخبار الآحاد من العلل ان ينافي موجبات احكام العقول لان العقول حجة لله تعالىٰ وغير جائز انقلاب ما دلت عليه واوجبته' وكل خبر يضاده حجة للعقل فهو فاسد غير مقبول. وحجة العقل ثابتة صحيحة الا ان يكون الخبر محتملا لوجه لا يخالف به احكام العقول فيكون محمولا على ذلك الوجه. قال ابوبكر: قد حكيت جملة ما ذكره عيسىٰ فى هذا المعنى وهو عندى مذهب اصحابنا وعليه تدل اصولهم.(٢٨)

وہ علل جن کے بنا پر خبر آحاد کو رد کر دیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خبر واحد عقل سے ثابت ہونے والے احکام کے مقتضیٰ کے خلاف ہو۔ اس لیے کہ عقول اللہ کی طرف سے حجت ہیں لہٰذا جس امر پر عقل دلالت کرے اس سے عدول درست نہیں[اس لیے کہ] حجت عقلیہ صحیح ثابت ہیں۔ اور ہر وہ خبر فاسد اور غیرمقبول قرار دی جائے گی جو حجتِ عقلیہ کے خلاف ہو گی۔ سوائے اس کے کہ کوئی خبر واحد کسی ایسی تاویل کا احتمال رکھتی ہو جو احکام عقلیہ کے منافی نہ ہو تو اس خبر کو اس تاویل پر محمول کیا جائے گا۔ [اس کے بعد جصاص کہتے ہیں] میں نے عیسیٰ بن ابان کے موقف کو اختصار کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اور میری رائے میں ہمارے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کے اصول بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

عقل کے خلاف خبر واحد کے رد کرنے کے اصول کو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی طرف منسوب کرنے میں اختلاف ہے(۲۹)۔

امام ابویوسفؒ اور اصول درایت

ا مام ابویوسفؒ کی تصنیفات کے مطالعہ سے مقالہ نگار کو امام موصوف کے درج ذیل درایتی اصولوں تک رسائی ہوئی ہے:

۱۔ خبر واحد قرآن مجید کے خلاف نہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ خبر واحد سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو

۳۔ خبر واحد عموم بلویٰ کی قبیل سے نہ ہو

۴۔ خبر واحد ایسی نہ ہو جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو۔

مذکورہ بالا اصولوں کی نسبت امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد ابویوسف کی طرف واضح طور پر ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیلات سے معلوم ہو گا، تاہم یہاں یہ یاد رہے کہ یہ چار اصول وہ ہیں جو حنفی اصولیوں کے ہاں نقد متن کے لیے متفقہ طور پر ایک معیار کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی ان کی موجودگی میں خبر واحد کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہاں امام ابویوسفؒ کے حوالے سے ان اصولوں کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ ابویوسفؒ نے اپنے شیخ امام ابوحنیفہؒ سے ان اصولوں کو اخذ کیا ہے۔ اس لیے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فقہاء میں سے سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ ہی نے ان اصولوں کا وسیع اور واضح طور پر استعمال کیا ہے اور اسی وجہ سے بعض محدثین نے ان پر اعتراضات بھی کیے، جیسا کہ ابن عبد البر اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں:

> **کثیر من اهل الحدیث استجازوا الطعن علی ابی حنیفة لرده کثیرا من اخبار الآحاد العدول لانه کان یذهب فی ذلک الی عرضها علی ما اجتمع علیه من الاحادیث ومعانی القرآن فما شذ عن ذلک رده وسماه شاذا .(۳۰)**
>
> بہت سے محدثین نے امام ابوحنیفہؒ پر اس لیے طعن جائز سمجھا کہ آپ نے عادل راویوں سے مروی بہت سی احادیث آحاد کو رد کیا ہے۔ انہیں رد کرنے کی وجہ [آپ کے پیش نظر] یہ تھی کہ آپ انہیں دیگر متفق علیہ احادیث پر پیش کرتے یا معانی قرآن پر پیش کرتے اور جو روایت ان سے شاذ ہوتی اسے آپ رد کر دیتے اور شاذ کی اصطلاح سے موسوم کرتے۔

اسی طرح شبلیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف ان اصولوں کے استعمال کی نسبت کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے:

> فن حدیث میں سب سے بڑا کام ابوحنیفہؒ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور ان کو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا۔(۳۱)

اب امام ابویوسفؒ کی تصنیفات کی روشنی میں ان اصولوں کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔خبر واحد قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو

خبر واحد سے تعلق رکھنے والی جو روایت قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف ہو اسے امام ابویوسفؒ صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں ان کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ خبر واحد قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ اس اصول کا تذکرہ امام ابویوسفؒ نے کئی جگہ کیا ہے‘ مثلاً امام اوزاعی پر ایک مسئلہ میں رد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

والرواية تزداد كثرة ويخرج منها ما لا يعرف ولا يعرفه أهل الفقه ولا يوافق الكتاب ولا السنة فإياک وشاذ الحديث وعليک بما علية الجماعة من الحديث وما يعرفه الفقهاء وما يوافق الكتاب والسنة فقس الأشياء على ذلک فما خالف القرآن فليس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وإن جاء ت به الرواية............ فاجعل القرآن والسنة المعروفة لک إماما قائدا واتبع ذلک وقس عليه ما يرد عليک مما لم يوضح لک في القرآن والسنة. (۳۲)

روایتوں کی کثرت ہو جائے گی اور ان میں سے وہ چھانٹی ہو جائیں گی جو غیر معروف ہیں اور جنہیں فقہاء نہیں جانتے اور جو قرآن اور سنت سے موافقت نہیں رکھتیں۔ پس آپ کو شاذ حدیث سے بچنا چاہیے اور وہی حدیث لینی چاہیے جس پر جماعت [علماء] کا اتفاق ہو‘ اور جسے فقہاء پہچانتے ہیں‌اور جو قرآن و سنت سے موافق ہیں۔ اور پھر ایسی حدیثوں پر باقی مسائل کے لیے قیاس کرنا چاہیے۔ اور جو حدیث قرآن کی مخالفت کرے اس کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی نسبت نبی کریمﷺ کی طرف درست نہیں ہوسکتی‘ خواہ اسے (بطریق سند) روایت ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔...... پس قرآن اور سنت معروفہ کو اپنا امام اور قائد بنایئے‘ اور اسی کی اتباع کیجیے اور اسی پر اپنے پیش آمدہ ان مسائل کو قیاس کیجیے جن کی توضیح آپ قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔

قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف روایت کے مردود ہونے کے اصول پر دلائل

امام ابویوسفؒ نے خلاف قرآن روایت کے مردود ہونے کے اصول پر درج ذیل دلائل بھی ذکر کیے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی دلیل

اس سلسلہ میں پہلی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے:

حدثنا ابن ابی کریمة(۳۳) عن أبی جعفر(۳۴) عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه دعا الیهود فسألهم فحدثوه حتی کذبوا علی عیسی علیه الصلاة والسلام فصعد النبی صلی الله علیه وسلم المنبر فخطب الناس فقال إن الحدیث سیشفو عنی فما أتاکم عنی یوافق القرآن فهو عنی وما أتاکم عنی یخالف القرآن فلیس عنی. (۳۵)

[امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں] ابن ابی کریمہ نے ابو جعفر کے حوالے سے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے کچھ سوال کیے جن کے جواب دیتے ہوئے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھے۔ تو نبی کریمﷺ منبر پر چڑھے اور لوگوں سے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: بے شک میری طرف منسوب احادیث کی کثرت ہو جائے گی، پس جو حدیث تمہارے پاس پہنچے اور وہ قرآن سے موافقت رکھتی ہو اسے قبول کر لو اور جو حدیث قرآن سے مخالفت رکھتی ہو، تو [اس کے بارے میں یاد رکھو کہ] میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو قرآن کے خلاف ہو۔

دوسری دلیل

امام ابویوسفؒ نے اس سلسلہ میں دوسری دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

حدثنی مسعر بن کدام(۳۶) والحسن بن عمارة(۳۷) عن عمرو بن مرة(۳۸) عن أبی البحتری(۳۹) عن علی بن أبی طالب رضی الله عنه أنه قال إذا أتاکم الحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فظنوا أنه الذی هو أهدی والذی وهو أتقی والذی هو أحیا . (۴۰)

ہمیں مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے ابوالبختری سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب تمہیں اللہ کے رسولﷺ سے کوئی حدیث پہنچے تو یاد رکھو کہ آپﷺ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ، سب سے بڑھ کر متقی اور سب سے زیادہ شرم و حیا والے تھے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال غالبًا یہ ہے کہ یہاں نبی کریمﷺ کے جو اوصاف حضرت علیؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کیے ہیں، وہ قرآن مجید میں اور سنت معروفہ میں بھی ایسے ہی ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت جو آنحضرتﷺ کے ان اوصاف کے منافی معلوم ہو، اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

تیسری دلیل

امام ابویوسفؒ نے اس سلسلہ میں تیسری دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

حدثنا أشعث بن سوار وإسماعيل بن أبى خالد عن الشعبى عن قرظة بن كعب الأنصارى رضى الله عنه أنه قال أقبلت فى رهط من الأنصار إلى الكوفة فشيعنا عمر بن الخطاب رضى الله عنه يمشى حتى انتهينا إلى مكان قد سماه ثم قال هل تدرون لم مشيت معكم يا معشر الأنصار قالوا نعم لحقنا قال إن لكم الحق ولكنكم تأتون قوما لهم دوى بالقرآن كدوى النحل فأقلوا الرواية عن رسول الله ﷺ وأنا شريككم فقال قرظة لا أحدث حديثا عن رسول الله ﷺ أبدا . (۴۱)

ہمیں اشعث بن سوار(۴۲) اور اسماعیل بن ابی خالد(۴۳) نے شعبی سے اور انہوں نے قرظہ بن کعب انصاری(۴۴) سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: میں انصار کے ایک گروہ کے ساتھ جب کوفہ آنے کے لیے (مدینہ سے)روانہ ہوا تو حضرت عمرؓ کچھ دور تک ہمارے ساتھ چلے، پھر ہم سے مخاطب ہو کر پوچھا: اے انصار کی جماعت! معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیوں چل کر آیا ہوں؟' انصار کے ان لوگوں نے کہا: جی ہاں، اس لیے کہ یہ ہمارا حق تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں یہ تمہارا حق تھا، اور سنو، تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو قرآن کو بہت خوبصورتی سے پڑھتے ہیں۔ تم ان کے سامنے اللہ کے رسول کی احادیث کم بیان کرنا اور میں بھی تمہارا ساتھی ہوں۔ قرظہ کہتے ہیں میں تو کبھی اللہ کے رسولﷺ کی طرف سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔

چوتھی اور پانچویں دلیل

امام ابویوسفؒ نے اس سلسلہ میں چوتھی اور پانچویں دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

كان عمر رضى الله عنه فيما بلغنا لا يقبل الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بشاهين ولولا طول الكتاب لأسندت الحديث لک وكان على بن أبى طالب رضى الله عنه لا يقبل الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۴۵)

حضرت عمرؓ سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اللہ کے رسولﷺ کی کوئی حدیث دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ کہ کتاب طویل ہوجائے گی تو میں سند کے ساتھ ان روایات کو یہاں نقل کرتا۔ اور حضرت علی بھی اللہ کے رسولﷺ کی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے[جب تک کہ راوی اس پر قسم نہ اٹھاتا]۔

چھٹی دلیل

امام ابویوسفؒ نے اس سلسلہ میں چھٹی دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

حدثنا الثقة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال فى مرضه الذى مات فيه إنى لأحرم ما حرم القرآن. (۴۶)

ہمیں ثقہ راوی نے اللہ کے رسولﷺ سے بیان کیا کہ آپﷺ نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: میں بھی انہیں چیزوں کو حرام قرار دیتا ہوں جنہیں قرآن حرام قرار دیتا ہے۔

ابویوسفؒ ان دلائل کو ذکر کرنے کے بعد امام اوزاعی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

فأجعل القرآن والسنة المعروفة لک إماما قائدا واتبع ذلک وقس عليه ما يرد عليک مما لم يوضح لک فى القرآن والسنة. (۴۷)

پس قرآن اور سنت معروفہ کو اپنا امام اور قائد بنایئے، اور اسی کی اتباع کیجیے اور اسی پر اپنے پیش آمدہ ان مسائل کو قیاس کیجیے جن کی توضیح آپ قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔

۳۔خبر واحد عموم بلویٰ کی قبیل سے نہ ہو

حنفی اصولی ایسی خبر واحد کو جو عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو 'شاذ' روایت قرار دیتے ہوئے رد کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام سرخسیؒ نے ایسی خبر واحد جو عموم بلویٰ سے تعلق رکھتی ہو مگر اس کے باوجود مشہور نہ ہوئی ہو' شاذ قرار دے کر مردود قرار دیا ہے۔(۴۸)

امام ابویوسفؒ کے حوالے سے ہمیں یہ بات تو ملتی ہے کہ آپ شاذ روایت کو قبول نہیں کرتے تھے' مگر امام ابویوسف کے نزدیک شاذ روایت سے مراد کون سی روایت ہے' اس سلسلہ میں کتاب ''الرد'' میں ایک مقام پر امام اوزاعی پر نقد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

فإياک وشاذ الحديث وعليک بما عليه الجماعة من الحديث وما يعرفه الفقهاء وما يوافق الكتاب والسنة فقس الأشياء على ذلک. (۴۹)

پس آپ کو شاذ حدیث سے بچنا چاہیے اور وہی حدیث لینی چاہیے جس پر جماعت [علماء] کا اتفاق ہو اور جسے فقہاء پہچانتے ہیں اور جو قرآن و سنت سے موافق ہیں۔ اور پھر ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیثوں پر باقی مسائل کے لیے قیاس کرنا چاہیے۔

اسی طرح ایک اور مسئلہ میں امام اوزاعی کی دلیل پر نقد کرتے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فعلیک من الحدیث بما تعرفه العامة وایاک والشاذ منه.(۵۰)

آپ کو چاہیے کہ انہی احادیث کو بنیاد بنائیں جنہیں سبھی [فقہاء] جانتے ہیں اور شاذ روایتوں سے اجتناب کریں۔

اسی طرح گھوڑوں کو مال غنیمت سے حصہ دینے سے متعلقہ مسئلہ کو زیر بحث لاتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

لم یبلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا عن أحد من أصحابه أنه أسهم للفرسین إلا حدیث واحد وکان الواحد عندنا شاذا لا نأخذ به. (۵۱)

ہمیں اللہ کے رسولﷺ سے یا ان کے صحابہ میں سے کسی سے ایسی کوئی حدیث نہیں پہنچی کہ دو گھوڑوں کو حصہ دیا گیا ہو' البتہ اس سلسلہ میں صرف ایک ہی حدیث مروی ہے اور ایک حدیث ہمارے نزدیک شاذ ہوتی ہے' جسے ہم قبول نہیں کرتے۔

یہی بات ایک اور حدیث کے بارے میں جسے امام اوزاعی نے ایک مسئلہ میں اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا تھا' آپ نے اس طرح کہی ہے:

وقد بلغنا من هذا ما قال الاوزاعی' وهو عندنا شاذ والشاذ من الحدیث لا یؤخذ به.(۵۲)

اوازعی نے اس سلسلہ میں جو کچھ [بطور دلیل] کہا ہے' ہمیں بھی وہ دلیل پہنچی ہے لیکن وہ ہمارے نزدیک شاذ ہے اور شاذ حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ آپؒ کے نزدیک شاذ روایت سے مراد وہ روایت ہے:

۱۔ جو خبر واحد قرآن کے خلاف ہو

۲۔ جو خبر واحد سنت معروفہ کے خلاف ہو۔

۳۔ جو خبر واحد عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسی شاذ روایت آپ کے نزدیک مردود شمار ہو گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ خبر واحد ایسی نہ ہو جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو

وہ خبر واحد جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو' اسے بھی امام ابویوسفؒ حجت تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ایسی روایت بھی آپ کے نزدیک شاذ کی قبیل سے ہے اور شاذ کے بارے میں آپ کی رائے یہ ہے کہ

والشاذ من الحديث لا يؤخذ به. (۵۳)

شاذ حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اور بعض حنفی اصولیوں نے صراحت کی ہے کہ وہ خبر واحد جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو' شاذ کہلاتی ہے۔ جیسا کہ ابوبکر جصاصؒ نے اس سلسلہ میں عیسیٰ بن ابان کے حوالے سے شاذ روایت اس خبر واحد کو قرار دیا ہے جسے صحابہ میں سے کسی نے روایت کیا ہو مگر باقی صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو۔(۵۴)

حاصلِ بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ لفظ 'درایت' کو متقدمین کے ہاں اصولِ حدیث کی کسی اصطلاح کے طور پر استعمال کرنے کی مثال نہیں ملتی' تاہم متأخرین مثلاً ابن الاکفانی' عزالدین ابن جماعة' امام سیوطی' حاجی خلیفہ وغیرہ نے اسے فہم حدیث اور نقد حدیث کے عمومی اصولوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ یعنی ان اہل علم کے ہاں درایت کی دو طرح کی تعریفیں ملتی ہیں۔ ایک کا تعلق فہم حدیث سے ہے جب کہ دوسری کا تعلق فہم حدیث اور نقد حدیث دونوں سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں اول الذکر کا تعلق صرف مروی کی معرفت سے ہے جب کہ ثانی الذکر کا تعلق راوی اور مروی دونوں کی معرفت اور اس کی صحت و استناد کے ان اصول و ضوابط جن سے 'علمِ روایتِ حدیث' بھی تعرض کرتا ہے' سے ہے۔ لیکن بعد میں اہل علم کے ہاں 'درایت' سے نقد حدیث کے وہ اصول مراد لیے جانے لگے جن میں کسی روایت کے سلسلہ سند سے ہٹ کر اس کے معنی و مفہوم کو موضوعِ نقد بنایا جاتا ہے اور قرآن، سنت مشہورہ اور اجماع صحابہ و عموم بلویٰ کے معیارات کی روشنی میں اس کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اب ان اصولوں کو اصول درایت جب کہ سلسلہ سند سے متعلقہ اصولوں کو اصول روایت سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ درایتی اصولوں کی بنیادیں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بعض آثار سے اخذ کی جاتی ہیں اور اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات و حواشی

۱۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل(م۵۰۲ھ)، المفردات فی الفاظ القرآن، دمشق: دار القلم، س ن، ج۱، ص۳۴۴۔

۲۔ حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبد اللہ(م۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون، بیروت، مکتبۃ المثنی، س، ن، ۶۳۵/۱۔ اسی طرح نواب صدیق حسن نے بھی 'درایتِ حدیث' کو فہم حدیث ہی کے ضابطوں سے تعبیر کیا ہے، دیکھیے: القنوجی، صدیق بن حسن(م۱۳۰۷ھ)، أبجد العلوم، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، طبع۱۹۷۸ء، ج۲ص۲۱۹، ۲۲۰۔

۳۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر(م۹۱۱ھ)، تدریب الراوی، لاہور، دار نشر الکتب الاسلامیۃ، س، ن، ۳/۱۔

۴۔ الجزائری، طاہر بن صالح (أو: محمد صالح) بن احمد، (م۱۳۳۸ھ)، توجیہ النظر الی اصول الاثر، حلب: مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، طبع اول۱۴۱۶ھ، ۸۲/۱، ۸۳۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ عتر، نور الدین، منہج النقد فی علوم الحدیث، دمشق: دار الفکر، طبع سوم، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ۳۴/۱۔

۷۔ ایضاً، ص۳۲۔

۸۔ دیکھیے: السیوطی، تدریب الراوی، ۳/۱۔

۹۔ جیسا کہ مولانا تقی امینی نے اس سلسلہ میں یہ رائے دی ہے کہ ''درایت کی اصطلاحی تعریف دو طرح منقول ہے: (۱) عام اور (۲) خاص۔ ''عام'' وہ ہے جس کا تعلق راوی اور مروی دونوں کی معرفت سے ہے اور ''خاص'' وہ ہے جس کا تعلق صرف ''مروی'' کی معرفت سے ہے''۔ دیکھیے: تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، کراچی: قدیمی کتب خانہ، طبع۱۹۸۶ء، ص۱۶۔

۱۰۔ ایضاً، ص۱۵۔

۱۱(ا)۔ شبلی نعمانیؒ، الفاروق، اعظم گڑھ، مطبع معارف، طبع اول، س ن، ج۱، ص۱۲، ۱۳۔

۱۱(ب)۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س، ن، ص۱۹۰۔

۱۲۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ بن محمد(م۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء)، الموافقات، بیروت: دارالمعرفۃ، س، ن، ۱۸/۳، وما بعدہ۔

۱۳۔ دیکھیے: الزرکشی، بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ(م۷۹۴ھ)، الاجابۃ لما استدرکتہ عائشہ علی الصحابۃ، بیروت: المکتب الاسلامی، طبع دوم۱۹۷۰ھ۔

۱۴۔ شبلی نعمانیؒ، الفاروق، اعظم گڑھ، مطبع معارف، طبع اول، س ن، ج۲، ص۲۲۷۔

۱۵۔ اصول حدیث میں جس حدیث کا راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہو وہ بھی خبرآحاد میں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اس کا وجود نہ تھا۔(شبلی)

۱۶۔ شبلی، الفاروق، ص۳۹۲، نیز دیکھیے: ص۲۴۰۔

۱۷۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س، ن، ص۱۹۰۔

۱۸۔ ایضاً، ص۱۹۱۔

۱۹۔ ایضاً، ص۱۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۰۔ ایضاً، ص۱۹۸،۱۹۹۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے ابوزہرہ(م۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) کی تصنیف: **ابوحنیفة؛ حیاته و عصره** (القاہرۃ، دار الفکر العربی، طبع سوم، ۱۹۶۰ء) بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۲۱۔ ابوموسیٰ عیسیٰ بن ابان(م۲۲۱ھ)، امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے محمد بن حسن شیبانیؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا جیسا کہ آپ کے بارے میں ابواسحاق شیرازی لکھتے ہیں کہ ''آپ اصحاب الحدیث میں سے تھے، پھر رائے آپ پر غالب آ گئی۔ آپ نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا''۔(دیکھیے: شیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف، **طبقات الفقهاء**، بیروت، دار الرائد العربی، طبع اول ۱۹۷۰ء، ۱/۱۳۷)۔ حافظ ذہبیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''عیسیٰ بن ابان فقیہ ہیں، محمد بن حسن کے اصحاب میں سے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے آپ کو ضعیف یا ثقہ کہا ہو''۔(دیکھیے: ذہبی، **میزان الاعتدال**، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، س،ن، ۳/۳۱۰)۔ آپ کی چند ایک تصانیف یہ ہیں: **اثبات القیاس، خبر الواحد، اجتهاد الرأی، العلل والشهادات، العلل فی الفقه، الجامع، الحجة الصغیر، الحجة الکبیر**۔ (دیکھیے: کحالۃ، عمر رضا، **معجم المؤلفین**، بیروت، دار الاحیاء التراث العربی، س، ن، ج۸، ص۱۸۔ نیز دیکھیے: ابن قطلوبغا، قاسم بن قطلوبغا، **تاج التراجم**، دمشق، دار القلم، ط اول ۱۹۹۲ء، ج۱، ص۲۲۷)۔

۲۲۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی(م۳۷۰ھ)، **الفصول فی علم الاصول**، ج۳، ص۱۱۳، کویت: وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، طبع اول۱۴۰۸ھ۔

۲۳۔ ایضاً، ص۱۱۹۔

۲۴۔ ایضاً، ص۱۲۱۔

۲۵۔ البزدوی، علی بن محمد بن حسینؒ(م۴۸۲ھ)، **کنز الوصول الی معرفة الاصول(مع: کشف الاسرار)**، کراچی، صدف پبلشرز، س، ن، ۱/۳۷۱۔

۲۶۔ السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل(م۴۹۰ھ)، **الاصول**، بیروت: دار المعرفۃ، طبع اول ۱۹۹۷ء، ۱/۳۶۹، ۳۷۰۔

۲۷۔ الجصاص، **الفصول فی علم الاصول**، ۳/۱۱۳ تا ۱۱۹۔ البزدوی، **کنز الوصول**، ۱/۳۷۱۔ السرخسی، **الاصول**، ۱/۳۷۴تا۳۷۹۔

۲۸۔ جصاص، **الفصول**، ۳/۱۲۲۔

۲۹۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، ''خبر واحد اور قیاس: باہمی تعارض کی صورت میں صاحبین اور حنفی فقہاءِ اصولیین کا نقطہ نظر''، مقالہ در: مجلۃ الاضواء، جلد۲۵، شمارہ ۳۳، جون ۲۰۱۰ء، شیخ زائد سینٹر، جامعہ پنجاب لاہور۔ مقالہ نگار نے اس موضوع پر ایک الگ مقالہ تحریر کیا ہے جو عنقریب کسی تحقیقی مجلّہ میں اشاعت کے لیے پیش کیا جائے گا۔

۳۰۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ(م۴۶۳ھ)، **الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء**، مکتبۃ القرشی، س، ن، ۱/۱۴۹۔ الشاطبی، **الموافقات**، ۳/۲۴۔

۳۱۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ص۱۹۰۔

۳۲۔ ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم(م۱۸۲ھ)، **الرد علی سیر الاوزاعی**، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، طبع اول ۱۴۲۱ھ، ص۳۱، ۳۲۔ اس اصول پر امام شافعیؒ نے نقد کیا ہے۔ دیکھیے: الشافعی، محمد بن ادریس(م۱۵۰ھ)، **ألأم**، دار المعرفۃ، بیروت، س، ن، ۷/۳۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳، ۳۴۔ ابن ابی کریمہ کا نام خالد بن میسرة اور کنیت ابوعبد الرحمٰن ہے۔ آپ کو امام احمدؒ ابن معین اور ابوداؤد وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور ابوجعفر سے مراد امام محمد باقر ہیں جن کی مراسیل حنفیہ کے ہاں حجت ہیں' دیکھیے: ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۲۴'۲۵' بذیل حاشیہ از: ابوالوفاء افغانی۔

۳۵۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۲۵۔ واضح رہے کہ اس حدیث کو امام شافعی نے غیرمقبول قرار دیا ہے' دیکھیے: **الام**' ج۷' ص۳۶۰۔

۳۶۔ مسعر بن کدام(م۱۵۳ھ) کوفہ کے کبار علماء اور ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ ذہبی' میزان الاعتدال' ۴۰۹/۶۔

۳۷۔ حسن بن عمارة(۱۵۳ھ) کوفہ کے کبار فقہاء میں سے تھے مگر روایت حدیث میں آپ کو ضعیف بلکہ متروک بھی کہا گیا۔ نیز آپ پر وضع حدیث کا الزام بھی ہے۔ ذہبی' ایضاً' ۲۶۱/۲'۲۶۳۔

۳۸۔ عمرہ بن مرہ(م۱۱۶ھ) کوفہ کے کبار علماء میں سے ہیں۔ ابن معینؒ ابوحاتم وغیرہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ایضاً' ۳۴۶/۵۔

۳۹۔ ابوالبختری کا نام سعید بن فیروز(م۸۳ھ) ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں' آپ کو حافظ ذہبی نے صدوق قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی صرف وہ روایات مقبول ہیں جو سماع کے ساتھ ہیں اور جو عنعنہ کے ساتھ ہیں وہ ضعیف شمار ہوں گی' اس لیے کہ آپ تدلیس کرتے تھے۔ ذہبی' ایضاً' ۳۳۲/۷۔

۴۰۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۲۹۔

۴۱۔ ایضاً' ص۳۰۔

۴۲۔ اشعث بن سوار کوفہ(م۱۳۰ھ) کے کبار علماء میں سے ہیں۔ آپ کو زیادہ اہل علم نے ثقہ اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ذہبی' میزان الاعتدال' ۴۲۷/۱'۴۲۸۔

۴۳۔ اسماعیل بن ابی خالد(۱۴۶ھ) بھی کوفہ کے کبار اور ثقہ علماء میں سے ہیں۔ الرد' حاشیہ از: ابوالوفاء افغانی' ص ۳۰۔

۴۴۔ قرظہ بن کعب الانصاری' صحابہ میں سے ہیں۔ ایضاً۔

۴۵۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۳۱۔

۴۶۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۳۱۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ السرخسی' الاصول' ۳۶۴/۱۔

۴۹۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۳۱۔

۵۰۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۲۴۔

۵۱۔ ایضاً' ص۴۱۔

۵۲۔ ایضاً' ص۱۰۵۔

۵۳۔ ابویوسف' **الرد علی سیر الاوزاعی**' ص۱۰۵۔

۵۴۔ مثلاً دیکھیے: الجصاص' الفصول فی علم الاصول' ۱۱۳/۳

☆☆☆

© rasailojaraid.com